"غزنویوں کی حکومت اڑھائی سو برس تک افغانستان، ایران اور ہندوستان کے علاقوں میں دریائے دجلہ سے دریائے گنگا کے کناروں تک قائم رہی، غزنہ، بلخ اور لاہور ان کے دارالحکومت رہے۔ اس دوران اسلامی تمدن اور فارسی زبان نے بڑی ترقی کی اور اسلام پوری سلطنت میں رائج ہوگیا۔ اس دور کے بعد سلاجقہ کا دور آتا ہے۔ یہ ۶۳۲ تک رہتا ہے۔ اس عہد میں افغانستان چار حصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔"

- ☆ طخارستان ہے مرو تک۔ سنجری دربار سے ملحق تھے
- ☆ غور، بامیان، ہرات تک۔ غوریوں کے ماتحت
- ☆ زابل ہلمند سے کابل ننگرہار سے پشاور، لاہور تک۔ آل محمود غزنوی کے پاس
- ☆ ولایت سیستان۔ ملوک سیستان کے تابع

(غوری سوری کے بعد تاتاریوں کا خروج ہوا (۶۰۵-۶۱۲ھ)

ان کے چھ حکمران یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ اس کے بعد یوسف زئی حکمران آئے۔ اس کے بعد تیموریہ خاندان کے وارث کے طور پر بابر سامنے آیا۔ یوں مغل شہنشاہی کی بنیاد پڑگئی اور اس کے کئی حکمران یکے بعد دیگرے حکومت کرنے لگے۔ افغانوں کی قومی حکومت احمد شاہ کے دور میں قائم ہوئی۔ (۱۱۶۰ھ)

ان تمام تاریخی روایات اور حکمرانوں کے عروج وزوال آگے بڑھنے اور زوال سے ہمکنار ہونے کے واقعات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ خطہ پاک وافغان صدیوں سے باہم مربوط اور منسلک رہا ہے، ایک ہی حکمران کے زیر تسلط بھی اور جدا جدا حکمرانوں کے زیر سایہ بھی۔ خوشحالی اور ترقی میں بھی اور زوال اور ظلم سہنے میں بھی۔ پس معلوم ہوا کہ ان دونوں ملکوں کی جو جغرافی وحدت پائی جاتی ہے وہ صدیوں کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اور اس طرح کی وحدت پاکستان کی کسی اور ملک سے شاید ہی ہو۔ ہاں یہ جغرافی وحدت برصغیر کے ناطے سے بھارت کے ساتھ یقیناً تھی۔ مگر 1947ء کے انقلاب نے اس خطہ کو دو جدا ملکوں میں ہی نہیں بلکہ دو جدا جدا تہذیبوں میں الگ کردیا ہے۔ اب اس ملک کے ساتھ ہمارا وہ ملاپ اور رشتہ ہرگز قائم نہیں ہوسکتا جو افغانستان سے قائم ہے۔

معاشی اور تجارتی ضرورت

نظریاتی اور جغرافی وحدت کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ صدیوں سے ہمارے تجارتی روابط، سامان کی آمدورفت، خام مال کے قافلے ایک دوسرے ملک میں آتے رہے ہیں۔ ہمارے ملک کی ہر چیز افغانستان جاتی تھی اور اس ملک کی ہر چیز یہاں بکتی تھی۔ اسی طرح عام لوگ بھی اس علاقہ میں اپنی آمدورفت بہت زیادہ رکھتے تھے۔ سرحد اور بلوچستان میں تو قبائل کی آپس میں رشتہ داریاں، معاشرتی تعلقات اور بودوباش اتنی زیادہ رہی ہے، بلکہ آج تک موجود ہے کہ پتہ بھی نہیں لگتا کہ یہ شخص کوئٹہ میں آباد ہے یا قندھار میں۔ پشاور میں رہتا ہے یا جلال آباد میں قیام پذیر ہے، تجارت کی منڈیوں میں دونوں طرف ہر ایک کی دکانیں موجود ہیں، ہر طرف گھر بھی ہیں، کوٹھیاں بھی ہیں اور آنا جانا تو ایسا رہتا ہے کہ ایک ہفتہ یہاں تو دوسرا ہفتہ وہاں گزارا جاتا ہے۔ کابل میں اگر کسی چیز کی کمی ہوگئی تو پشاور سے وہاں تک قافلے چل پڑیں گے۔ اور افغانستان کے تمام میوہ جات ہمارے ملک میں کھلے عام آتے ہیں جیسے یہاں کی پیداوار ہیں۔ یہ تو زمانہ قدیم کا ذکر ہورہا تھا۔

آج کا دور تو مواصلات کی ترقی کا دور ہے ان میں تو ہم یا افغانستان ایک دوسرے سے مستغنی ہو ہی نہیں سکتے۔ اس لئے معاشی ترقی کا انحصار اور خاص طور پر افغانستان کا تو مکمل انحصار پاکستان پر ہی ہے، جو پاکستان کو نظر انداز کرکے زندگی گزارنے کا تصور تک نہیں کرسکتا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ افغانستان کی ضروریات، بھارت، ایران اور یا دور پرے کا کوئی اور ملک پوری نہیں کرسکتا۔ افغانیوں پر اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو وہ بھاگ کر پاکستان پہنچ جاتے ہیں اور کابل میں انہیں اگر کوئی تکلیف وہ صورت پیش آتی ہے تو پاکستانیوں کے دل ان کے ساتھ دھڑکنے لگ جاتے

ہیں' یہ کیفیت دنیا کے کسی بھی دو ملکوں کی ہرگز نہیں ہے ۔

ملکی تحفظ وسلامتی کی ضرورت

پاک افغان سلامتی اور استحکام کلی طور پر ایک دوسرے پر اعتماد اور تعاون پر مبنی ہے۔ قدرتی طور پر ان خطوں کے پہاڑی سلسلے' ان کا دفاع کرتے ہیں۔ ماضی میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب دونوں نے ایک دوسرے کی مدد نہ کی ہو۔ برصغیر سے انگریزی استعمار کو نکالنے اور آزادی کی تحریک میں مسلمانوں کی نظریں افغانستان کے آزاد خطے پر ہی پڑتی رہیں۔ حضرت شیخ الہند امام المجاہدین مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی نے افغان حکومت کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے وہاں کا سفر کیا اور کئی سال وہاں گزارے تھے۔ ایک جلا وطن حکومت کا قیام بھی عمل میں آیا تھا۔ پنجاب میں سکھوں کے مظالم کے خلاف بھی یہاں پہنچ کر جہاد کی تیاری کی گئی۔ پھر حالیہ دور میں افغانستان میں سوویت یونین کا جب جارحانہ حملہ ہوا اور افغانستان کی آزادی وسلامتی خطرے میں پڑ گئی تو اس وقت پورا پاکستان ان کی پشت پر کھڑا ہوگیا۔ یہاں کے عوام نے ہر قسم کی مشکلات برداشت کرتے ہوئے افغانستان کی آزادی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور سرخ سامراج کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد جب عادل حکمرانوں کی حکومت قائم ہوئی تو پاکستان کی سلامتی کی طرف کسی دشمن کی آنکھ نہیں اٹھ رہی تھی' اس لئے کہ سرحدیں محفوظ تھیں۔

یہ ایک اتفاق نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ جوں ہی ایک استعمار کی جارحیت سے افغان حکومت کو ختم کیا گیا تو چند دنوں میں بھارت نے ہماری سرحدوں پر لاکھوں افواج اور بے شمار اسلحے کے انبار جمع کردیے اور حملے کرنے کی دھمکیاں دینے لگا۔

اب ایک تازہ نکتہ کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ سرحد اور بلوچستان میں نئے انتخابات (2002) کے نتیجہ میں جو خوشگوار نظریاتی تبدیلی آئی ہے، حالانکہ ابھی نئی حکومت قائم نہیں ہوئی مگر نتائج نے ہی بھارت کو پیغام دیا اور اس نے فوراً پاکستانی سرحدوں سے افواج واپس بلانے کا نہ صرف اعلان کیا، بلکہ اس پر عمل بھی شروع کر چکا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ کس طرح پاک وافغان مکمل تعاون ویکجہتی دونوں ممالک کے تحفظ وسلامتی کی ضامن ہوسکتی ہے۔

خوشحالی اور وسائل کی موجودگی

پاکستان اور افغانستان کے اندر بے شمار پیداواری وسائل موجود ہیں۔ مین پاور بھی موجود ہے صرف منصوبہ بندی اور عملی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ ان کے ذریعہ دونوں ملکوں کے عوام کو ترقی کی شہراہ پر گامزن کیا جاسکے۔

''تاریخ افغانستان'' میں مصنف لکھتا ہے کہ

''اگرچہ افغانستان کا زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے' تاہم بیچ بیچ میں وادیاں اور سرسبز زرخیز میدان آجاتے ہیں، جہاں نہروں اور کنووں سے آب پاشی کے ذریعہ اتنا اناج پیدا ہوجاتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کے لئے کافی ہو' ایسا قابل زراعت علاقہ کوئی ''ساڑھے تین کروڑ ایکڑ'' ہے جس میں سے تقریباً دو کروڑ ایکڑ عملاً زیر کاشت ہے۔ یہاں کئی قسم کے پھل بھی بہت وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ تازہ اور خشک پھل بڑی تعداد میں باہر بھیجے جاتے ہیں۔ دنبوں کی کثرت ہے، ان کی کھالوں اور اون کی برآمد ملک کی آمدنی کا اہم ذریعہ ہے اس کے علاوہ روئی بھی خاص مقدار میں پیدا ہوتی ہے۔ تقریباً (چون ہزار ٹن)''

مصنف مزید لکھتا ہے کہ

''افغانستان کی کانوں سے ابھی پوری طرح کام نہیں لیا گیا' لیکن یہاں تانبے کی افراط ہے۔ سیسا اور لوہا خاصی مقدار میں موجود ہے۔ کوئلے کی کانیں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ ابھی حال ہی میں ہرات اور شمالی علاقے میں پیٹرول بھی دستیاب ہوا ہے۔ قندھار اور کئی شمالی دریاؤں کی ریت میں سونا بھی پایا جاتا ہے۔ پنج شیر کی وادی میں چاندی کی کانیں ہیں۔ گندھک

کے ذخیرے بھی پائے گئے ہیں۔"

بہر حال پاک وافغان کے ماہرین مل کر منصوبہ بندی کریں کہ ان پیداواری ذرائع کو کس طرح رو بعمل لایا جائے اور عوام کی خوشحالی کے منصوبے کس طرح جلد شروع کیے جائیں۔

سامعین محترم!

جن دو ملکوں کے اندر فطری طور پر اس طرح کی بنیادی وحدت، مشترکہ مفادات' لازوال تاریخی رشتے، جغرافیائی اتحاد اور انسانوں کے درمیان ایسے گہرے ناطے اور برادرانہ تعلقات پائے جاتے ہوں' ان کے لئے ترقی' خوشحالی اور استحکام کی شاہراہ پر چلنا کتنا سہل اور آسان ہے۔ یہ تاریخ کا ایک المیہ ہے کہ عالم اسلام بے پناہ وسائل رکھنے کے باوجود منتشر اور باہم دگر غیر متعلق ہے۔ مگر کم از کم عالم اسلام کے ہمسایہ ممالک تو ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کریں۔ یہ تو بڑا المیہ ہوگا کہ ہمسایہ مسلم ممالک بھی ایک دوسرے سے دور رہنے لگیں۔

وقت کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ پاک وافغان تعلقات کو اب وسیع پیمانہ پر خوشگوار بنایا جائے اور دونوں ملکوں میں قریبی تعاون کے لئے مشترکہ اقدامات عمل میں لائے جائیں۔

عملی اقدامات:

(۱) پاک وافغان دوستی کے ادارے ملک کے تمام صوبوں اور بڑے شہروں میں قائم کیے جائیں۔

(۲) علماء دانشور صحافی اور محققین کے دورے دونوں ملکوں میں سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کیے جائیں۔

(۳) دونوں ملکوں میں ٹیکس فری تجارت اور کاروبار کو منظم انداز میں شروع کیا جائے۔

(۴) پاکستان کے اہل ثروت' افغانستان میں ابتدائی طور پر سرمایہ کاری کریں۔

(۵) مواصلات کے نظام کو فروغ دیا جائے۔ شاہراہیں اور ریلوے نظام کو کابل تک پہنچایا جائے۔

(۶) جدید علمی اور سائنسی لٹریچر فارسی' عربی اور پشتون زبانوں میں شائع کر کے افغانستان بھیجا جائے ان ابتدائی اقدامات سے راستے کھلتے جائیں گے اور ہم ایک دوسرے سے قریب آکر شاہراہ ترقی پر گامزن ہوسکیں گے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا.

والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

جمال الدین افغانیؒ کی خوداری

سید جمال الدین افغانی عالم اسلام کی ممتاز انقلابی شخصیت گزری ہیں۔ قیام لندن کے دوران ایک انگریز ان کے پاس آیا اور ان کو کچھ دینا چاہا۔ انہوں نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ "ہم کبھی غیر سے کوئی چیز مفت نہیں لیتے۔" وہ مایوس ہوکر وہاں کے ایرانی سفیر سے ملا اور کہا کہ "یہ سید جمال الدین افغانی آپ لوگوں کا ہے اور اس وقت ضرورتمند ہے یا تو آپ اس کو کچھ دیں کہ اس کی ضرورت پوری ہو یا میں کچھ رقم پیش کروں' آپ انہیں پہنچادیں۔ ایرانی سفیر نے کہا کہ "ہمیں معلوم نہیں تھا' اب ہم ان کے پاس جاکر خود ان کی خدمت کریں گے آپ جمع خاطر رکھیں۔ ایک دن وہ کئی سو پونڈ لے کر جمال الدین افغانی کی خدمت میں آئے اور رقم پیش کرنا چاہی۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ "میں اتنا محتاج نہیں ہوں جتنا کہ آپ ہیں۔ آپ اس رقم کو اپنے مصرف میں لائیں۔ شیر دوسروں کی کمائی پر زندہ نہیں رہتا وہ جہاں جاتا ہے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے خود شکار کرتا ہے دوسروں کی کمائی پر نظر نہیں اٹھاتا۔" آخر ایرانی سفیر مایوس ہوکر واپس چلا گیا۔

(حوالہ: مینائی مصطفائی ص ۱۵۲ ج ۲)

ظفر حسین ایبک

انقلابی سفر کی کہانی

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر کی آزادی کے لیے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے حکم پر گیارہ سال افغانستان، روس اور ترکی میں گزارے۔ اس عرصہ میں جناب ظفر حسین ایبک مرحوم بھی آپ کے ساتھ رہے۔انہوں نے اس دور کے واقعات اور مناظر کو جس طرح دیکھا اس کو قلمبند کیا۔ یہ انقلابی داستان آپ پڑھ کر آج کے حالات میں رہنمائی حاصل کریں۔ (ادارہ)

انگریزوں سے معاہدہ جنگ بندی:

خدا کی شان ہے کہ اسی شام کو کابل سے امیر صاحب کا فرمان آیا کہ انگریزوں سے 29/ مئی 1919 کو متارکہ ہوگیا ہے۔ اور انگریزوں نے افغانستان کی آزادی کو منظور کرلیا ہے۔ مگر اس کے بدلے میں افغانی فوجوں کا سرحد سے بیس میل پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اس لئے افغانی فوجیں جو تمہارے زیر کمان ہیں فوراً ہندوستان کی سرزمین کو خالی کر کے افغانی سرحد کی طرف لوٹنے اور سرحد سے بیس میل پیچھے ہٹنے پر مجبور ہیں۔ اس فرمان کے آنے سے ہمارے فوجیوں کی فراری اور پسپائی اور ان کی خود اپنے ہاتھوں اپنے سر پر لائی ہوئی شکست کا پردہ پڑ گیا۔

امیر صاحب کے اس حکم پر سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے ایک طرف تو فوج کو سرحد کی طرف کوچ کرایا اور دوسری طرف ٹھل سے اس وقت اتفاقاً آئے ہوئے اپنے معتمد کو جس کے ہاں میں ٹھل کے قیام کے دوران ٹھہرا تھا' انگریزی کمانڈر کے نام مجھ سے انگریزی میں ایک خط لکھوا کر دیا۔ اس خط میں انہوں نے لکھوایا تھا کہ انگریزی اور افغانی حکومتوں کے درمیان متارکہ ہوگیا ہے اور آج (یکم جون) رات بارہ بجے کے بعد اس محاذ پر لڑائی بند کردی جائے گی۔

یہ خط معتمد کے ذریعہ راتوں رات ٹھل بھیج دیا گیا' لیکن ہمیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ انگریز کمانڈر کو یہ خط کب ملا۔ اس کی اس کے بعد کی کاروائی سے اتنا نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ خط اس کو ضرور مل گیا تھا کیونکہ اس کے بعد انگریزی ہوائی جہاز نے جو اس کے دو دن بعد تک خوست کے علاقہ پر پرواز کرتا رہا' ہم پر کوئی بم نہیں گرایا۔ صرف ہماری فوجوں کی دیکھ بھال کر کے اور ان کے پڑاؤ کی جگہ معلوم کرکے چلا گیا۔ (ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ انگریزی رسالہ اگلے روز صبح کو دریائے کرم عبور کر کے ہمارے پرانے پڑاؤ کی جگہ تک آیا اور وہاں پڑاؤ کو خالی پاکر واپس چلا گیا۔ اس نے ہمارا پیچھا نہیں کیا۔)

سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے حکم کے مطابق اس رات خیمے اکھاڑ کر خچروں پر لادے گئے تھے' سامان جنگ بار برداری کے لئے جتنے جانور مل سکے ان پر گولہ بارود لادا گیا' لیکن چونکہ بعض سپاہی خچروں پر سوار ہوکر بھاگ گئے تھے' اس لئے سامان ہمیں میدان جنگ میں چھوڑنا پڑا۔ مگر اس بدانتظامی کا نہ خوست کے لوگوں کو چنداں پتا چلا اور نہ ہی کابل کے سرکاری حلقوں میں اس کا چرچا ہوا۔ وہ سب یہی سمجھتے رہے کہ یہ فوج ٹھل میں فتحیاب رہی اور صرف امیر صاحب کے فرمان پر ٹھل سے واپس لوٹی ہے۔ سردار سپہ سالار صاحب کی

خوش قسمتی اور خدا کا کرم وعنایت ان کے شامل حال تھا کہ یہ شکست فتح کے رنگ میں نظر آنے لگی اور اس طرح خود ان کی عزت بھی بنی رہی۔ اگر انگریز کمانڈر ذرا جرأت سے کام لیتا اور ایک رسالے کو ہمارا پیچھا کرنے پر متقرر کردیتا تو یہ نہ صرف بہ آسانی افغانی سرحد تک پہنچ جاتے بلکہ آگے بھی جاتے اور ان کے ڈر سے افغانی فوج جو ٹھل سے پسپا ہوکر اسی پڑاؤ پر آئی تھی؛ جہاں سے کہ وہ سات دن پہلے ٹھل پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئی تھی؛ وہاں سے شاید گردیز تک پیچھے ہٹ جاتی اور راستے میں کہیں دم تک بھی نہ لیتی۔

جس روز ہم افغانی سرحد میں واپس داخل ہوئے اس کی دوپہر کو ایک انگریزی ہوائی جہاز نے ہمارے پڑاؤ پر ایک چکر لگایا لیکن کوئی بم نہیں گرایا۔ اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ انگریز کمانڈر نے متارکہ منظور کرلیا ہے۔ لیکن ہماری فوج کا کھوج نکالنے اور آئندہ کے متعلق اطمینان حاصل کرنے کی خاطر ہوائی جہاز کو بھیجا تھا۔ افغانی فوج اس محض اڑنے والے ہوائی جہاز سے بھی اتنی ہراساں ہوئی کہ شام کو خودبخود یہاں سے خوست روانہ ہونے کے لئے تیار ہوگئی۔ اس پر مجبور ہوکر سردار سپہ سالار صاحب مرحوم نے اگلی صبح کو خوست کی طرف کوچ کا حکم دیا اور ہم نے اگلے روز خوست میں پڑاؤ ڈالا۔ اس فوٹو میں سردار صاحب مرحوم، کرنل عبدالقیوم اور ان کے زیر کمان مجاہد نظر آتے ہیں۔ میں' پادشاہ میر خان اور محمد یوسف خان پہلو بہ پہلو دوسری قطار میں کھڑے ہیں۔

اس روز بھی ہوائی جہاز ہمارے سر پر اڑا لیکن گولہ باری کئے بغیر واپس چلا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اطمینان ہوگیا کہ اس محاذ پر افغانی فوجیں متارکہ کی شرطوں کے مطابق سرحد سے بیس میل پیچھے ہٹ گئی ہیں۔

چند روز کے بعد کابل سے امیر صاحب کا ایک دوسرا فرمان آیا جس میں لکھا تھا کہ افغانی فوجوں کو متارکہ کی شرائط کے بموجب تمام سرحدوں سے 20 میل پیچھے ہٹنا چاہئے ورنہ متارکہ ٹوٹ جائے گا اور پھر لڑائی شروع ہوجائے گی۔ اس فرمان کے طرز تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ کابل کے ارباب حکومت انگریز سے جلد از جلد صلح کرنے اور لڑائی کو ختم کرنے کے سخت خواہش مند ہیں۔ اگرچہ اس فرمان میں مذکورہ شرائط متارکہ ہمارے محاذ کے ایک بڑے حصہ پر' واقعات کی رفتار کی وجہ ہی سے پوری ہوگئی تھیں اور خوست کی فوجیں جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے خود بہ خود ٹھل سے پسپا ہوکر متون تک آگئیں تھیں اور سرحد سے بیس میل پیچھے ہٹ چکی تھیں۔ اگرچہ خوست اور پیواڑ کے درمیان کی افغانی چوکی جس کا نام (پٹان) تھا انگریزوں کے ہاتھوں جل چکی تھی اور وہاں کے افغانی سپاہی اندرون ملک کی طرف پسپا ہوچکے تھے لیکن پیواڑ کی سربلند کوتل (Pass) جو ایک طرف (جاجی) کے افغانی علاقہ پر اور دوسری طرح پاراچنار کی انگریزی چھاؤنی کے اوپر سر بہ فلک کھڑی ہوئی ہے، ابھی تک ان افغانی فوجوں کے ہاتھوں میں تھی جو سردار صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی سردار محمود خان کے زیرکمان تھیں۔ یہاں افغانی فوج نے مضبوط مورچے بنا رکھے تھے جو دریا کے درختوں کے گھنے جنگلوں میں ہونے کی وجہ سے ہوائی جہاز کو بھی نظر نہ آسکتے تھے۔ اگرچہ انگریزوں نے اس حصہ محاذ پر ایک دفعہ حملہ بھی کیا تھا لیکن منہ کی کھاکر واپس ہوگئے تھے۔ ٹھل پر سردار سپہ سالار صاحب مرحوم کے حملہ کی وجہ سے پاراچنار کی انگریزی فوجوں کو پھر اس کی جرأت نہ ہوسکی تھی کہ دوبارہ کوتل پیواڑ پر حملہ آور ہوں۔ سردار صاحب مرحوم نے افغانی فوج کے بڑے حصے کے ساتھ ٹھل پر حملہ کرکے جو جنگی چال چلی تھی اس کی درستی اور اصابت کا اب پورا ثبوت مل گیا تھا۔ اگر وہ ٹھل پر حملہ کرکے کوہاٹ اور پاراچنار کا باہمی حمل ونقل کا راستہ نہ کاٹ دیتے تو ضرور انگریز اس بلندکوتل پر قبضہ کرلیتے اور پھر وہاں سے بہ آسانی کابل کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ اگر امیر صاحب کے فرمان کے بموجب اس حصہ محاذ سے بھی افغانی فوجوں کو بیس میل پیچھے ہٹالیا جاتا تو انگریز ضرور پیواڑ کے اردگرد کی بلند پہاڑوں اور چوٹیوں پر قبضہ کرلیتے اور کابل کو جو یہاں سے صرف تین منزل دور ہے